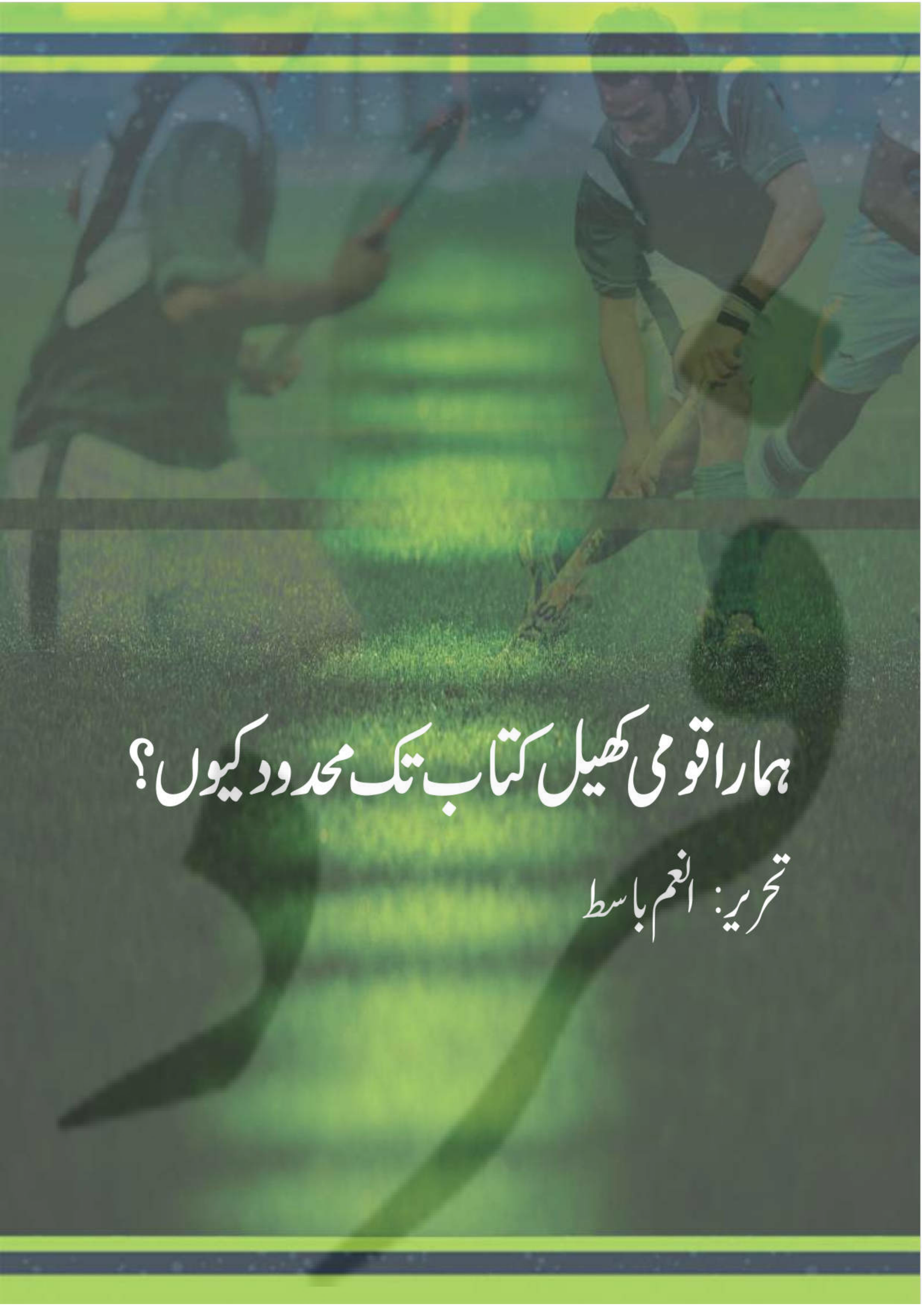

ہمارا قومی کھیل کتاب تک محدود کیوں؟

تحریر: انعم باسط

پاکستان میں حالات جیسے بھی ہوں ہم بہت زندہ دل قوم ہیں۔ خاص طور پر لاہور کے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زندہ دل ہیں اسی لیے پاکستان سپر لیگ کے فائنل کو ہم سب نے مل کر ان زندہ دل لوگوں کے شہر میں کامیاب بنا دیا۔ میچ دیکھ کر لگا ہم واپس امن کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں۔ ایک عرصے بعد عوام نے پُرامن فضا میں کسی کھیل کا سرور لیا۔ میں بھی اسی خوشی اور ولولے کے ساتھ قذافی اسٹیڈیم پہنچی جہاں پی ایس ایل کا فائنل ہونا تھا۔ ابھی میں اسٹیڈیم کے مین گیٹ تک ہی پہنچی تھی کہ میری نظر پاکستان ہاکی فیڈریشن (پی ایچ ایف) کے ہیڈکوارٹر پہ پڑی جو کہ اسٹیڈیم کے بالکل مترادف سمت میں واقع ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں یادوں اور سوالات کا امبار امڈ آیا۔ جن کا جواب پی ایس ایل کے انتظار میں کھڑی بھیڑ کے پاس تو نہ تھا پر اس ہیڈکوارٹر میں بسی ویرانی اور سکوت کا عالم جیسے خود ہی اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا۔ آخر ہاکی کا کھیل ہماری اسکول کی کتابوں تک محدود ہو کر کیوں رہ گیا؟ کیا یہ واقعی ہمارا قومی کھیل ہے؟ میں بھول چکی تھی کہ یہ فیڈریشن آفس اُس کھیل کے لیے تشکیل میں آیا تھا جس کو ہمارے مُلک میں قومی کھیل کی حیثیت حاصل ہے۔ آج اگر ہماری نوجوان نسل سے پوچھا جائے تو ان کو بین الاقوامی فٹبال کے کھلاڑیوں کے نام تو معلوم ہوں گے پر ہمارے قومی کھیل کے کھلاڑی یا اِس کھیل کی تاریخ کا کچھ بھی علم نہیں ہوگا۔

اگر آپ سے کہا جائے کہ فٹ بال کا ورلڈ کپ ہو رہا ہے جس میں برازیل، ارجنٹینا اور جرمنی شرکت نہیں کر رہے تو کیا آپ مان جائیں گے؟ میرے خیال سے تو یہ تصور ہی ناممکن ہے اسی طرح ایک دور تھا جب ہاکی ورلڈ کپ میں پاکستان کا نہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ورلڈ کپ کے فائنل میں جرمنی، پاکستان، ارجنٹینا، آسٹریلیا اور نیدرلینڈ جیسے ممالک ہی شرکت کرتے تھے۔ پاکستان اِن ممالک میں سب سے اول نمبر پر تھا۔ چار دفعہ ہاکی ورلڈ کپ جیتنے سے لے کر ریو اولمپکس کے لئے کوالیفائے نہ کر پانے کا سفر ہاکی کی تاریخ کو ہلا دینے والا ہے۔ سب سے پہلے اولمپکس ہی ہاکی کا واحد بنیادی ٹورنمنٹ تھا پر پھر ائیر مارشل نور خان کے دور میں اُنھوں نے انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن کو ہاکی ورلڈ کپ کا آغاز کرنے کی تجویز دی جس کو ۱۹۶۹ء میں قبول کر لیا گیا۔

پاکستان کی ہاکی کا زوال اچانک رونما ہونے والا سانحہ نہیں بلکہ اس نے ہر آنے والی حکومت کے رنگ و دھوپ سہے ہیں ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۹۴ء تک کے اس سفر میں بہت سے پیچ و خم آئے۔ سب سے پہلی بڑی شکست ۱۹۸۶ء میں دیکھی گئی جب پاکستان کو ورلڈ کپ ہارنے کے ساتھ ساتھ ۱۲ ٹیموں میں سے گیارہوں صف میں کھڑا ہونا پڑا۔ اِس کے فوراً بعد اُمید کی ایک کرن نظر آئی جب ۱۹۹۰ء میں ورلڈ کپ لاہور میں منعقد کرایا گیا۔ اِس بار پاکستان نمبر ۲ کی نشست پہ ٹھہرا، پر جب تک ہاکی اپنی بجھی ہوئی شمع کو دوبارہ روشن کر پاتا تب تک کرکٹ مداحوں کو اپنی طرف متوجہ کروا چکا تھا۔ میڈیا اور بڑی کمپنیوں نے بھی اپنی توجہ اور پیسہ کرکٹ کی طرف مرکوز کر دیا تھا جو کہ ان کی اپنی ترجیحات اور مرضی پر منحصر ہے۔ انکا پیسہ ہے وہ جہاں مرضی لگائیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ پی ایچ ایف کا خود کا ایک اسٹیڈیم بھی نہیں ہے، نہ ہی یہ اتنا منافع کما سکتا ہے کہ اپنے اخراجات خود اُٹھا سکے۔ جس کے لئے اسے حکومت کی طرف نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ۲۰۱۴ء ورلڈ کپ میں شکست اور ۲۰۱۶ء ریو اولمپکس کی قابلیت پر پورا نہ اترنے کے بعد کیپٹن محمد عمران نے بیان دیا کہ " کوئی نان چنے پہ گزارا کرنے والی ٹیم سے عالمی سطح پر جیتنے کی امید کیسے کر سکتا ہے"۔ اِن کا یہ بیان محض اس چیز کا ترجمان نہیں کہ ہاکی کے کھلاڑیوں کے پاس کھانے کی کمی ہے بلکہ یہ اس بات کی عکاسی بھی کرتا ہے کہ ہاکی کو دوبارہ سے عالمی سطح پر اُٹھانے کے لئے حکومت کی لگن اور مہارت کاروں کی انتھک محنت کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ پی ایچ ایف کو نوجوان نسل میں سے نئے ہاکی ٹیلنٹ کو اُبھارنے میں اہم کردار ادا کرنا چاہیے تھا پر اب تک تو یہ کھیل ہمارے اسکولوں کالجوں اور گلی محلوں کے گراؤنڈ سے بالکل غائب ہو چکا ہے۔ ہر ٹورنمنٹ کی شکست کے بعد پی ایچ ایف کی طرف سے اعلان سننے میں ملتے ہیں کہ اب ہم اپنے پلان میں یہ تبدیلی کریں گے جس سے مستقبل میں فلاں کامیابی حاصل ہوگی پر یہ باتیں اِس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہاکی فیڈریشن کے پاس ایک مستحکم سوچ اور حکمتِ عملی کی کمی ہے۔ ہاکی پاکستان کے فخر اور جوش و خروش کی علامت سمجھا جاتا تھا، جو صرف نام کا قومی کھیل رہ گیا ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ آج صرف ہاکی ہی نہیں، اِس کے ساتھ ساتھ اور بہت سے کھیل مہارت کاروں کی کمی کی وجہ سے زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔ اِس کے علاوہ بیشتر

کھلاڑیوں نے یہ قبول کیا ہے کہ جتنا انعام انہیں دینے کا اعلان کیا جاتا ہے اس کے برابر انھیں کبھی نہیں نوازا گیا۔ اِن کھیلوں کے ناموراور فاتح ستاروں کو صرف سیاست دان اپنے دفتر کی دیواروں پر سجانے کا کام لیتے آئے ہیں۔ ان کو کوئی ماہرِ غذائیت، فیزیوتھیراپسٹ، فیزیکل ٹرینز، ویڈیو اینیلسٹ میسّر نہیں۔ ہاں! ایک ڈاکٹر اِن کے لئے مقرر ہے جس کا کردار میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ اس صورتحال کا سامنا ہمارے کھلاڑیوں کو قومی سطح پر کرنا پڑ رہا ہے تو سوچئے عالمی سطح پہ ہمارے کھلاڑی کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ہاکی میں نئے ٹیلنٹ کو نہ وہ مواقع مل سکے اور نہ ہی پہلے سے موجود کھلاڑیوں کی فنی مہارتوں کو بدلتے ہوئے کھیل کی تکنیکی مہارتوں سے مذین کرایا گیا۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ہر ٹورنمنٹ کے بعد کوچ تبدیل کروا دیے جاتے ہیں اور ہر کوچ کے کھیل کے مختلف داؤ پیچ کھلاڑی اتنا جلدی سیکھ نہیں پاتے۔ اِن سب حالات کے باوجود یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ ہمارے ہاکی کے ستارے اِن مشکلات کے باوجود کچھ میڈل اپنے نام کر گئے ہیں جن میں ایشین گیمز کا سلور میڈل اور ۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۳ء کی ایشین چیمپین ٹرافی شامل ہے۔ میرے لئے یہ کھلاڑی آج بھی باعثِ فخر ہیں جنہوں نے قومی کھیل کو ڈوبنے سے بچایا ہوا ہے۔

اگر ہم ماضی میں جھانکیں تو وہ دور بھی تھا جب پاکستان انٹرنیشل ائیر لائن اور حبیب بنک بھی کھیلوں کو فروغ دیتے تھے ان کی کھلاڑیوں کی ٹیم ہوتی تھی جن کے گھر کی روزی روٹی بھی چلتی تھی اور کھیل کو بھی فروغ ملتا تھا لیکن پاکستان انٹرنیشنل ائیر لائن خسارے میں جانے لگی اور کھیل کی ٹیم بھی اسی کی نظر ہوگئی۔ حبیب بینک پرائیویٹ ہو گیا۔ ہمارے تمام کھیلوں کے ساتھ یہ ہی ہوا کبھی اسکواش، سنوکر، کبڈی اور ٹیبل ٹینس نے بھی عروج دیکھا تھا اب کھیل کے میدان کچرے کے ڈھیر بن گئے ہیں۔ اگر یہ ہی حالات رہے تو کہیں یہ نہ ہو کہ اگلے ۷۰ سالوں میں ہمارا قومی کھیل ہی تبدیل ہو جائے جو کہ شاید کوئی موبائل گیم ہو۔

مضطہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لئے رابطہ کریں۔
info@individualland.com